اقبال کی تصنیف ”بانگ درا“ کا تحقیدی مطالعہ

محمد عامر اقبال

Abstract:

Iqbal's poetry is the highest capital of thought and art. It is easy to draw conclusions from the critical study of Iqbal's thought. "Bang-e-Dara" is the first collection of Iqbal's Urdu poetry. Despite the passage of a hundred years, his study has become a point of light.From the poetry of Iqbal's early period, the stages of his evolution can be seen. The study of "Bang-e-Dara" is a manifestation of the awareness of Iqbal's poetic qualities,as it can be judged by study. Iqbal analyst have presented their own point of view.This is the reason for the fame of "Bang-e-Dara”. In this book we can clearly witness the basic goal and manifesto of Iqbal studies. Some critics have severely criticized the compositions of "Bang-e-Dara" from a technical point of view. This article paves the way for critical study of "Bang-e-Dara

فطرت نے اقبال کو بڑی فیاضی کے ساتھ شعر گوئی کا ملکہ عطا کیا تھا۔ ایک ہی نشست میں اور ایک ہی شب میں بہت سے اشعار قلم بند ہو جاتے تھے۔ اس میں کہیں بھی دو رائیں نہیں ہیں۔ ان کے تمام اشعار سر تا پا آمد کے نتائجِ فکر ہوتے تھے۔ اقبال ان میں اصلاح بھی کرتے تھے۔ ان کے مجموعہ کلام میں شاعری کا ایک ایسا حصہ بھی موجود ہے جو طبیعت پر زور دے کر موزوں کیا گیا ہے۔ اقبال کی شخصیت بہت ہی تہ دار اور معنی خیز ہے۔ ان کی شخصیت فکر و فلسفہ، شعر و فن اور مقصد و پیغام کا حسین امتزاج ہے۔

شاعری میں فکر و دانش کی بات کرنا آسان نہیں۔ اظہار و ابلاغ کی بے بسی اور کم مائیگی سے کئی طرح کے سنگِ راہ حائل ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ فرض سمجھنا چاہیے کہ اقبال کے فکر و فن کے ہر ایک سنگ ریزے کو سمیٹنا ہو گا اور ان کو ایک رشتے میں پرونا ہو گا۔ ان میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہو گی۔ ان میں تطبیق دینا پڑے گی۔ اس طرح اقبال کا شاعرانہ فلسفہ یا فلسفیانہ شاعری منظم، مربوط اور تسلسل سے بھرپور

ہو گا۔ ورنہ یہ تمام عناصر منتشر رہیں گے۔ اختلاف اور اضداد کے نمونے بن جائیں گے۔ یہ اہم فریضہ نقاد کے سپرد ہے۔ نقاد کا فنِ کمال، اس کی بصیرت اور اس کی اندرون بینی ہی اس کاوش کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ تنقید کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار نقاد کی ان خصوصیات پر ہے ورنہ اقبال کا نقاد اور اس کے منشورات "رف نوٹس" سے زیادہ قدر و قیمت کے حامل نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اقبال پر تنقید لکھی جا رہی ہے۔ اقبال کی زندگی میں اور وفات کے بعد ایسی کوتاہ بینی کی تنقیدیں وجود میں آتی رہیں اور اقبال کے فکر و فن کے ناپید اکنار سمندر میں تھپیڑے کھا کر اپنا وجود گنواتی رہیں۔ مگر اقبال کے فکر و فن کی عظمت اور اس کی ہمہ گیری میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔

"بانگِ درا" اقبال کی اردو شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن ستمبر 1924ء کو منظرِ عام پر آیا۔ اقبال اپنا کلام محفوظ نہ رکھتے تھے۔ اس لیے اشاعت میں احباب سے مدد لی گئی۔ مولوی احمد دین نے "اقبال" کے عنوان سے جو کتاب قلم بند کی تھی اس میں کلامِ اقبال کا ذخیرہ محفوظ تھا مگر اقبال نے اس کتاب کی اشاعت پر پسندیدگی کا اظہار نہ کیا۔ اخبارات اور رسائل میں شائع شدہ کلام کو بنیاد بنا کر ترمیم و توسیع سے کام لیا گیا اور "بانگِ درا" منظرِ عام پر آئی۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے بہ قول:

> "یہ تمام ترامیم و اصطلاحات، اقبال کے تنقیدی شعور اور انتخابی ذہن
> پر دلالت کرتی ہے"[1]

اقبال کے اس مجموعۂ کلام نے شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا اور اقبال کے فکر و فن کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہو گئی۔ سال 2024ء "بانگِ درا" کی اشاعت کے سو سال پورے کر چکا ہے۔ اس کی نظمیں اور اقبال کے افکار نے قارئین کے قلب و ذہن کو مسحور کر دیا ہے۔ اقبال کی یہ بے مثال تصنیف آج بھی ذوق و شوق سے مطالعہ کی دعوت دیتی نظر آتی ہے۔ بچے اور بڑے ہر عمر کے قاری کلامِ اقبال کے اس مجموعے کی قرأت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی نظمیں یاد کرتے ہیں، تعلیمی اداروں میں ہی نہیں بلکہ مدارس میں بھی بچے اس کی نظموں پر مبنی خاکے اور تماثیل پیش کرتے ہیں۔ باذوق بزرگ اسے تحفے میں بچوں اور نوجوانوں کو دیتے ہیں اور علمی و ادبی مقابلوں میں انعام کے طور پر عطا کی جاتی ہے۔ شاعری کے اس شاہکار پر کئی تحقیقی مقالوں پر اسکالرز نے ایم۔ اے، ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کی ہیں۔ اس کتاب کی توضیح و ترسیل میں بھی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر صرف "شکوہ" اور "جواب شکوہ" پر نظر ڈالیں تو ان نظموں کی تفصیل و توسیع پر بہت سا

تحقیقی کام سامنے آجاتا ہے۔ اردو کی تاریخ میں کسی دوسرے شاعر کے تخلیق کی ایسی پذیرائی اور قدر و منزلت دیکھنے میں نہیں آئی۔ منصہ شہود پر آتے ہی یہ کتاب اہلِ فکر و نظر کی توجہ کا مرکز بن گئی اور بڑے بڑے نقادوں اور اہل علم و ادب نے اس کی انقلاب آفرین شاعری، چونکا دینے والے جدید انداز، اثر آفرینی اور تحسین کے حوالے سے مضامین قلم بند کیے ہیں۔ یہ سلسلہ "بانگِ درا" کی اشاعت کے سو سال کے دوران جاری رہا اور تا حال رواں دواں ہے۔

علامہ اقبال نے "بانگ درا" کا دیباچہ معروف ادیب اور صحافی شیخ عبد القادر سے لکھوایا تھا۔ 1901ء میں شیخ عبد القادر نے اردو کا ادبی جریدہ "مخزن" جاری کیا۔ اقبال کا کلام اس میں شائع ہوتا تھا۔ شیخ عبد القادر "بانگ درا" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں آج تک اشعار کی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطالب و معانی یکجا ہوں اور کیوں نہ ہوں، ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے" ۲

"بانگِ درا" کی اشاعت کے ساتھ ہی مشہور و معروف ادیب، صاحب طرز انشا پرداز، مؤرخ، نقاد، صحافی، غالب شناس، اقبال شناس، مترجم، محقق اور علامہ اقبال کے اردو اور فارسی شعری مجموعوں کے شارح مولانا غلام رسول مہر نے اپنے معروف اخبار "انقلاب" میں ایک مضمون میں لکھا:

> " اقبال کی اُردو شاعری کے مجموعہ نے بانگ درا کا نام پایا، اتنا کیا کہ سوتوں کو جگایا اور ان کو بتایا کہ تم مقیم نہ تھے مسافر تھے کارواں تھے۔ منزل مقصود کہاں اور تم طویل و دشوار گزار راہ کے اس ابتدائی مقام پر دم لینے کے بہانے بیٹھے، لیٹے اور پھر سو ہی گئے اور ایسے سوئے کہ کروٹ نہ لی" ۳

مولانا غلام رسول مہر "بانگ درا" کی شرح "مطالب کلام اقبال" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "بانگ درا اقبال کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے جسے مرتب کرتے وقت انھوں نے بہت سی نظمیں، غزلیں یا اشعار اس وجہ سے قلمزد کر دیے کہ وہ ان کے

نزدیک معیاری نہ تھے لیکن اس میں "طلوع اسلام" تک ان کی وہ تمام نظمیں اور غزلیں آگئی ہیں جنھیں انھوں نے فکر و بیان کے لحاظ سے معیاری سمجھا اور جن میں سے اکثر ہزاروں لوگوں نے خود مرحوم کی زبان سے سنا اور مختلف رسالوں اور اخباروں میں چھپ کر ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھیں۔۔۔ اقبال کو مشاہیر عالم میں وہ بلند و بالا مرتبہ ملنے والا تھا جو ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتا اور صرف خوش نصیب کو ہی ملتا ہے" ۴؎

کلام اقبال کے دو بڑے شارحین یوسف سلیم چشتی اور مولانا غلام رسول مہر کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ انھوں نے "بانگِ درا" کی شرح بھی لکھی ہے۔ غلام رسول مہر کی شرح کے حوالہ سے پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

"ان کی حیثیت صرف شرح نگار کی نہیں بلکہ ادیب و ناقد اور محقق کی ہے۔ اس لیے ان کی شرحوں میں اعتبار کا پہلو زیادہ ہے۔ تشریح میں توازن اور ایک ہم آہنگی ہے۔ انہوں نے بہت اختصار سے بھی کام لیا ہے جو ان کی شرحوں کے لیے معیوب ہے" ۵؎

صوفی تبسم نے " بانگ درا" کی شرح لکھی۔ اس کے بارے میں خیال یہ ہے کہ یہ صرف پبلشر کی ضرورت اور مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہماری علمی تاریخ کا ایک اہم نام ہے۔ علامہ اقبال کے احباب، ماہرین اقبالیات اور شارحین اقبال میں انھیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ نے اقبال کی تمام اردو اور فارسی کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب "شرح بانگ درا" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

" بانگ درا شائع ہوئی تو لوگوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی بدولت اقبال کا نام ہندوستان کے طول وارض میں مشہور ہو گیا۔" ۶؎

یوسف سلیم چشتی نے "بانگ درا" کی شرح کی ہے۔ اس میں متن بھی موجود ہے جس سے تفہیم زیادہ آسان ہو گئی ہے۔ "ضرب کلیم" کی جو شرح یوسف سلیم چشتی نے کی تھی اس میں صرف تشریحی عبارت ہے۔ مولانا غلام رسول مہر کی " مطالب کلام اقبال اردو" میں متن موجود ہے۔

شرح کے حوالہ سے شبلی نعمانی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ شعر العجم یا مقالات میں شبلی نے جس طرح شعر کی تشریح کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ شبلی کے فن اور ہنر مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کلام اقبال کے شارحین اس سے محروم ہیں۔ یوسف سلیم چشتی اپنی شرح میں مذہب اور فلسفہ کو زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے۔ بعض جگہوں پر تو باتوں کو اتنا بڑھا دیتے تھے کہ پڑھنے والے کا ذہن اسے قبول ہی نہ کرتا۔ ”بانگ درا“ کی نظم ”التجائے مسافر“ کی شرح کے حوالہ سے پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں:

”ایسی شرح جو اقبال کے وہم و گمان میں نہ تھی اور نہ اقبال کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم اسے قبول کر سکتا ہے“ ۷

کلیم الدین احمد ماہر نقاد تھے۔ فکرِ اقبال سے مخالفت رکھتے ہوں یا اس کے قائل نہ ہوں یا یہ سمجھتے ہوں کہ اقبال کی شاعری کو اقبال کی فکر نے تباہ کیا، مگر یہ ان کا تنقیدی زاویہ ہے۔ نقاد کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر تحقیق کے بعد اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ کلیم الدین احمد اقبال کی شاعری کے تو معترف تھے مگر پھر بھی چند تحفظات کا ذکر انھوں نے کیا ہے۔ اقبال کی تصنیف ”بانگِ درا“ کی نظم ”خضرِ راہ“ میں اقبال نے جن عنوانات کے تحت گفتگو کی ہے دراصل یہ اقبال کی فکر، اقبال کے پیغام اور اقبال کی تعلیم کا ایک سیلِ رواں ہے۔ اس میں اقبال نے زندگی کا راز بتایا ہے۔ سلطنت کیا ہے؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ سرمایہ و محنت کی وضاحت کی ہے اور دنیائے اسلام کا نقشہ کھینچا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اس نظم کا جائزہ اپنے مخصوص ذہنی اور فکری میلان کے مطابق کیا۔ ان کے نزدیک اس نظم میں کوئی ربط نہیں ہے اور یہ نظم شاعری پر بدنما داغ ہے۔ ۸

”خضرِ راہ“ وہ نظم ہے جسے اقبال نے 16 / اپریل 1922ء کو انجمن حمایتِ اسلام کے 37 ویں سالانہ اجلاس میں ترنم سے پڑھا تھا۔ اقبال پر جتنی رقت ”خضرِ راہ“ کی قرأت کے دوران طاری ہوئی اس کا بیان کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ نظم میں خضر کا کردار، ڈرامائی کیفیت، نظم کا دھیما لہجہ، رنگِ تغزل، تراکیب، تشبیہات، مرصع کاری، بہت سی صنعتیں، تصاویر، امیجری غرض یہ کہ اس نظم میں ہر قسم کی شاعرانہ اصطلاحات کا خزانہ موجود ہے۔ اس نظم میں اقبال کی شاعری تمام محاسن کے ساتھ بامِ عروج تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس نظم کی مثال اردو زبان یا دیگر کسی زبان کی شاعری میں شاید ہی کہیں ملتی ہو۔ اگرچہ ان دنوں میں اقبال کی اس نظم کا معیار اتنا بلند نہ تھا جیسا بعد میں دیگر طویل نظموں کا ہوا۔ کلیم الدین احمد نے نظم ”خضرِ راہ“

کے پہلے چار اشعار کی فنی خوبیوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے۔ ”یہ ایک حسین شاعرانہ تصویر ہے جس کے اجزا صاف صاف نظر آتے ہیں“۹

کلیم الدین احمد نے نظم کی فنی خوبیوں کا برملا اظہار تو کیا ہے اور تشبیہات کے استعمال کا ذکر کشادہ دلی سے کیا ہے مگر انھیں صرف باتیں ہی باتیں دکھائی دیں اور اس میں شعریت نظر نہ آئی۔ کلیم الدین احمد فنی خوبیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ فکر و فلسفہ پر یا پھر شاعری پر، یہ بات واضح نہیں ہے۔ ان کا قلم شتر بے مہار کی طرح جدھر کو بھی چلا، آگے نکل گیا۔ کلیم الدین احمد نے اس نظم کی فنی حیثیت کا نتیجہ بھی سنا دیا اور لکھتے ہیں:
”فنی حیثیت سے اسے کوئی امتیاز حاصل نہیں“ ۱۰

کلیم الدین احمد کو ”خضرِ راہ“ میں نہ تو کوئی فنی خوبی نظر آئی کہ جس کی بنا پر وہ اس نظم کو کسی حیثیت سے کوئی مقام دیتے۔ مزید یہ بات بھی ہماری نظر سے گزرتی ہے کہ آپ کو اس نظم میں حسنِ صورت کی کمی بھی نظر آتی ہے اور وہ اس نظم کے فورم کو بھی ناقص قرار دیتے ہیں۔ گویا جس مقام پر جو بات کہی گئی ہے وہ اس کی جگہ نہیں بنتی۔ دراصل اقبال نے شاعری سے جو قومی اور ملی مقاصد حاصل کیے ہیں ان کے لیے نظم کے عنوان کو تو مرکزی حیثیت دی ہے اور اس حیثیت کو کہیں نظر انداز نہیں کیا اور تبدیلی یہ ہے کہ ہر بند میں نیا موضوع مفصل انداز سے بیان کیا ہے۔ یہ انداز بالکل اچھوتا، نیا اور مختلف تھا۔ شاعر حضرات اس سے ناواقف تھے۔ کچھ نے قبول کیا اور کچھ نے نہ کیا۔ جنھوں نے قبول نہ کیا وہ پھر اپنی باتوں کی صداقت کے لیے طومار باندھنے لگے۔ دراصل اقبال جس قوم کی بیداری کے لیے شاعری کر رہے تھے وہ قوم اقبال کی بات سمجھ بھی رہی تھی اور سمجھا بھی رہی تھی اور اس شاعری کی بدولت بیداری کی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔ کلیم الدین احمد نے ”بانگِ درا“ کی نظم ”طلوعِ اسلام“ پر بھی تبصرہ کیا۔ کلیم الدین احمد ”طلوعِ اسلام“ کے حوالے سے کہتے ہیں: ”جن پانچ نظموں کا میں نے اس مقالے کے لیے انتخاب کیا ہے، ان میں سب سے کمزور نظم ”طلوعِ اسلام“ ہے“ ۱۱

کلامِ اقبال میں شاعرانہ موسیقی کے ساتھ ساتھ لفظی جادوگری بھی پائی جاتی ہے۔ ”بانگِ درا“ کی اس نظم میں تشبیہات اور علامات کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ و تراکیب کا استعمال بھی اقبال نے خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔ نظم ”طلوعِ اسلام“ میں اقبال کا فن عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ اپنے ہی خاص ذہنی پس منظر سے اس نظم کا مطالعہ نقاد کو جن نتائج کی طرف لے جاتا ہے وہ حیران کن ہے۔ پانچویں بند کو تو وہ نظم ہی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ ایک بند کے اشعار میں اقبال کے مخصوص رنگ کیگواہی بھی دیتے ہیں، ان اشعار میں

موجود خیالات، گہرائی، صداقت اور بے پناہ زور کے بھی معترف ہیں۔ بیان کی شان و شوکت بھی تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی کہتے ہیں: ”اس بند کو نظم نہیں کہہ سکتے“ ۱۲؎

اشعار میں انھیں شاعرانہ حسن محسوس نہیں ہوتا۔ آپ کہیں شعریت کے قائل ہوتے ہیں تو کہیں صداقت کا اقرار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں شاعرانہ حسن کے جھمیلوں میں الجھ کر فرماتے ہیں:

”ان شعروں سے یہ بات نکلتی ہے کہ شعریت کے لیے صداقت
کافی نہیں۔۔۔ لیکن شاعرانہ حسن نہیں“ ۱۳؎

کلیم الدین احمد کو ”طلوعِ اسلام“ کے کچھ اشعار میں ایک قسم کی برہنگی اور قطعیت کا احساس ہوتا تھا اور ان کے نزدیک یہ ایک ہنگامی قسم کی نظم تھی۔ اس نظم میں اقبال کا خطیبانہ انداز آپ کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ آپ کو نہ تو اس نظم کی شاعری یک قلم دکھائی دی جسے آپ نے اس نظم کی سب سے بڑی خامی قرار دیا۔ یہ ہی نہیں بلکہ آپ کے نزدیک اقبال کی اکثر نظموں میں یہ خامی پائی جاتی ہے۔ آپ کے نزدیک قارئین کو اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ آپ نے اقبال شناس ہی نہیں بلکہ محبانِ فکرِ اقبال کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ۱۴؎ اقبال کی شخصیت میں جو قائدانہ اور خطیبانہ صلاحیت تھی کلیم الدین احمد نے اسے قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا بلکہ اسے رد کر دیا اور ”بانگِ درا“ کی نظم ”طلوعِ اسلام“ میں چونکہ یہ عنصر نمایاں تھا اس لیے آپ نے اسے اس نظم کا نقص قرار دیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ”بانگِ درا“ کی نظم ”طلوعِ اسلام“ کے حوالے سے کہتے ہیں:

”طلوعِ اسلام ”بانگِ درا“ کی طویل نظموں میں اس اعتبار سے منفرد ہے
کہ اس میں اقبال کے افکار زیادہ پختہ اور خوبصورت انداز میں سامنے آئے
ہیں۔ فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے بعض حصے نہایت سادہ اور عام فہم
ہیں اور بعض حصے بے حد بلیغ اور گہرے مفاہیم و معانی کے حامل ہیں“ ۱۵؎

آپ نے ”بانگِ درا“ کی نظموں کے ان موضوعات پر انوکھے انداز سے قلم اٹھا کر اقبال فہمی کی راہوں کو وسعت عطا کی ہے۔ ان موضوعات پر انفرادی تحقیق سے اقبالیات کا دامن وسیع ہو گا اور اقبالیات کے طلبا نئے موضوعات میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے تحقیق و تنقید کا دامن وسیع کرنے میں مثبت کردار ادا کریں گے۔ ضروری نہیں کہ کلیم الدین احمد کی باتیں اقبال دشمنی کا باعث ہوں انہیں اقبالیات کا نیا آہنگ، اقبال فہمی

کی نئی روایت یا پھر فکرِ اقبال کے مختلف آہنگ، گویا کسی بھی نئے عنوان کے تحت جانچ کر فکرِ اقبال کو نئے موضوعات فراہم کیے جاسکتے ہیں۔"بانگِ درا" کے بارے میں پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

" آج بھی اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا یہی شعری مجموعہ ہے
جو خاص وعام کی توجہ کا نقطۂ نور بنا ہوا ہے" ۱۶

"بانگِ درا" کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے حصے میں وہ کلام شامل ہے جو شاعرِ مشرق نے ابتدائے شاعری سے 1905ء تک کہا اور دوسرے حصے میں 1908ء تک کا کلام شامل ہے جب کہ وہ یورپ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور تیسرا حصہ 1908ء سے " بانگِ درا" کی اشاعت تک کے کلام پر مشتمل ہے ۔"بانگِ درا" میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ ابتدائی غزلوں میں داغؔ کا رنگ نظر آتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات میں وسعت اور فکر میں بلند پروازی پیدا ہوتی گئی۔ان کے کلام میں غالبؔ کا رنگ پیدا ہونے لگا۔"بانگ درا" کی نظموں کے موضوعات میں بڑی رنگینی ہے۔

" بانگِ درا" میں فطری یا نیچر لنظمیں بھی ہیں جن میں اقبال نے مناظر قدرت کی تصویر کھینچی ہے۔ وطنی اور قومی نظمیں بھی ہیں حن میں انھوں نے حب الوطنی کے جذبات کو پروان چڑھایا ہے اور قوم کو دعوت عمل دی ہے۔ اخلاقی نظمیں بھی ہیں جن میں قوم کو اپنے اندر عمدہ اخلاق پیدا کرنے کی تلقین کی ہے یا کسی واقعے سے کوئی سبق اخذ کیا ہے۔ تاریخی نظمیں بھی ہیں جن میں تاریخی واقعات نظم کیے ہیں یا بعض مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ان کا مطالعہ اقبال کے تاریخی نظریہ کی تحقیق کا راستہ کشادہ کرتا ہے۔

فلسفیانہ نظمیں بھی ہیں جن میں فلسفہ وحکمت کے نکتے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ نظمیں اقبال کے سیاسی افکار و نظریات کی تفسیر و تبلیغ میں بہت معاون ہیں۔ دعائیہ نظمیں بھی ہیں جن میں انھوں نے دعائیں مانگی ہیں۔ یہ نظمیں اقبال کے اخلاقی تصورات کی توسیع کے لیے بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔ بعض نظموں میں اقبال نے فارسی شعرا کے اشعار پر تضمین کی ہے۔ یہ تضمینات واضح کرتی ہیں کہ کس طرح یعقوب کی آنکھ کا نور زلیخا کی نگاہوں کا چین بن گیا۔ بعض نظموں میں اقبال نے مشہور شعرا کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جس سے ان شعرا پر تحقیق و تنقید کے نئے موضوعات پروان چڑھے ہیں۔ یورپ میں اقبال شناسی اور شبلی شناسی کی بنیاد اقبال کی منظومات ہی کو قرار دینا چاہیے۔ بعض میں ہندوستان کے مشہور مذہبی رہنماؤں کی عظمت کا

اعتراف سامنے آتا ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم کے رنگ کی ظریفانہ نظمیں بھی اقبال کے تدبر کو وسعت عطا کرتی ہیں۔

"بانگِ درا" کے ان نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کا مطالعہ کیا جائے تو "بانگِ درا" کی خصوصیات کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ کچھ نظموں میں فارسی کی تراکیب کثرت سے استعمال کی ہیں یہاں تک کہ بعض شعر ایسے ہیں کہ اگر اردو کے بجائے فارسی کا ایک لفظ رکھ دیا جائے تو پورا شعر فارسی زبان کا ہو جائے۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اقبال نے اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے بہت سی جدید تراکیب وضع کی ہیں جن کی بدولت اردو زبان میں وسعت پیدا ہو گئی ہے مثلاً" توسنِ ادراکِ انسان"، "ناقہ شاہدِ رحمت"، "قتیلِ ذوقِ استفہام"، "قربِ فراق آمیز"، " طوق گلو افشار"، "حسنِ تماشا پسند"، "شورشِ میخانۂ انسان"، "دخترِ خوش خرامِ ابر"، "شانۂ موجِ صرصر" وغیرہ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ "بانگِ درا" کے بہت سے اشعار اپنی بر جستگی، دل کشی، معنویت اور موزونیت کی وجہ سے زبان زد خاص وعام ہو گئے ہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر نظموں میں سوز و گداز کی وہ کیفیت پائی جاتی ہے جسے مبصرین کلامِ اقبال نے "کیفِ غم" سے تعبیر کیا ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کے اکثر اشعار سے محبتِ نوعِ انسانی کا سبق ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر غور کیا جائے تو کچھ مزید خصوصیات مل جائیں گی۔

حاصلِ کلام

اقبال کی شاعری فکر و فن کا اعلیٰ ترین سرمایہ ہے۔ فکرِ اقبال کے تحقیدی مطالعہ سے نتائج اخذ کرنے میں سہولت رہتی ہے۔ "بانگِ درا" اقبال کی اردو شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔ سو سال گزرنے کے باوجود اس کا مطالعہ توجہ کا نقطۂ نور بنا ہوا ہے۔ اقبال کے ابتدائی دور کی شاعری سے ان کے ارتقا کے مدارج دیکھے جا سکتے ہیں۔ "بانگِ درا" کا مطالعہ اقبال کی شاعرانہ صفات سے آگہی کا مظہر ہے۔ جدید تراکیب، اشعار میں برجستگی اور نظموں کا سوز و گداز "بانگِ درا" کے مطالعہ سے پرکھا جا سکتا ہے۔ شارحینِ اقبال نے اپنی پسندیدہ شرح پیش کی ہے۔ یہ "بانگِ درا" کی شہرت کا باعث تو ہے مگر فکرِ اقبال کا مقصود و منشور نہیں۔ کچھ نقاد حضرات نے فنی اعتبار سے "بانگِ درا" کی منظومات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ پہلو بھی "بانگِ درا" کے فکری و فنی نکات کو استحکام عطا کرتا ہے۔ یہ مضمون "بانگِ درا" کے خصوصی مطالعہ کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول 1982ء، ص24

۲۔ عبدالقادر، شیخ، دیباچہ بانگِ درا، مشمولہ، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت دوم، 1994ء، ص44

۳۔ محمد حمزہ فاروقی، حیات اقبال کے مخفی گوشے، مرتبہ، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، 1988، ص85

۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، شرح، مطالب بانگ درا، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص3

۵۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال کا حرفِ شیریں، اقبال اور شارحین، نئی دہلی: اصیلا پریس، اگست 2014ء، ص102

۶۔ یوسف سلیم چشتی، شرح بانگ درا، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاس س ن، ص3

۷۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال کا حرفِ شیریں، اقبال اور شارحین، ص105

۸۔ کلیم الدین احمد، اقبال۔ ایک مطالعہ، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، جولائی 1979ء، ص152

۹۔ ایضاً، ص150

۱۰۔ ایضاً، ص156

۱۱۔ ایضاً، ص162

۱۲۔ ایضاً، ص162

۱۳۔ ایضاً، ص163

۱۴۔ ایضاً، ص172

۱۵۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبال کی طویل نظمیں، فکری و فنی مطالعہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1997ء، ص151

۱۶۔ عبدالحق، پروفیسر، علامہ اقبال، مونوگراف، دہلی: اردو اکادمی، 2016ء، ص54